رسائل و مسائل

چند فقہی سوالات

سوال :- چند حل طلب مسائل پیش خدمت ہیں۔ امید ہے کہ ان میں آپ صحیح رہنمائی کریں گے۔

(۱) اب تک تجارتی حصص پر زکوٰۃ کے متعلق آپ کی جو تحریریں میری نظر سے گزری ہیں ان میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ اسلامی ریاست یا کم از کم تحصیلِ زکوٰۃ کا ایک مرکزی نظام موجود ہے۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کس مرحلہ پر اور کس سے وصول کی جائے گی۔ جب تک کوئی مرکزی نظمِ زکوٰۃ قائم نہ ہو اس وقت تک حصص پر زکوٰۃ کی کیا صورت ہو گی؟ اس وقت بہت سے لوگوں کے پاس تجارتی حصے ہیں۔ وہ ان پر کس شرح سے زکوٰۃ ادا کریں؟

میں نے اپنے حصص کو روپے کا نعم البدل قیاس کرتے ہوئے ان کی مالیت پر ۲½ فی صد نکالنا چاہا تھا لیکن حصص کی سالانہ آمدنی ٹیکس کٹ کٹا کر جتنی ملتی ہے وہ پوری کی پوری زکوٰۃ میں چلی جاتی ہے۔ بعض حصص سے آمدنی اتنی کم ہوتی ہے کہ اُلٹا جیب سے زکوٰۃ ادا کرنی پڑتی ہے۔ یہ صورت قطعاً غیر تشفی بخش ہے۔

(۲) ترجمان، جلد ۵۰ عدد ۱ میں قطبین میں اوقات سحر و افطار پر ڈاکٹر حمید اللہ کا مضمون شائع کیا گیا ہے۔ اسی بحث کو زیادہ تفصیل سے ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب انٹروڈکشن ٹو اسلام میں پیش کیا ہے۔ پہلی دفعہ میں نے سرسری نظر سے مضمون دیکھا تو اچھا لگا۔ لیکن دوبارہ غور سے پڑھنے پر سخت قابلِ اعتراض محسوس ہوا۔

ڈاکٹر صاحب کا استدلال یہ ہے کہ خطِ استوا سے قطبین کی طرف جائیں تو دن اور رات کا تفاوت بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ۴۵ درجے عرض البلد تک تو یہ تفاوت قابلِ برداشت ہوتا ہے لیکن اس سے آگے نہیں" لہٰذا اس عرض البلد سے آگے تمام مسلمان ۴۵ کے اوقاتِ طلوع و غروب کے مطابق نماز روزے کا اہتمام کریں۔

اگر اس تجویز کو مان لیا جائے تو کینیڈا، امریکہ کے شمالی حصے، سارے یورپ، ماسوا اسپین اور اٹلی کے، نیز تقریباً پورے روس کے مسلمانوں کو اپنے مقام کے طلوع و غروب کے حساب سے ارکانِ دین ادا کرنے کے بجائے گھڑی کے حساب سے سارے کام کرنے چاہییں۔ میری اطلاع ہے کہ پیرس مسجد کی اقتدا میں پیرس کے مسلمان رمضان میں یہی کرتے ہیں۔ وہ ریڈیو مراکش لگائے رکھتے ہیں اور جیسے ہی مراکش میں افطار کی اذان ہوتی ہے وہ افطار کر لیتے ہیں۔ چاہے سورج سر پر کھڑا ہو۔ کیا آپ اس سے متفق ہیں؟

میں نے لندن کا سب سے طویل روزہ دیکھا ہے۔ سحر سے افطار تک تقریباً ۱۸ گھنٹے بنتے تھے۔ لیکن پنجاب کے تیرہ چودہ گھنٹے کے روزے زیادہ مشکل معلوم ہوتے ہیں۔ اتنے طویل روزے کے باوجود افطار کے وقت پیاس بالکل نہ ہوتی تھی۔ بھوک ضرور لگتی تھی۔ لیکن اس سے طبیعت اتنی نڈھال نہ ہوتی تھی جتنی اپنے ہاں ہوتی ہے۔ آخر یورپ کے مسلمانوں کے لیے کیونکر جائز ہے کہ وہ مقامی طلوع و غروب کو نظر انداز کر کے مراکش کی پیروی کریں؟

میرے ایک شناسا نے ڈاکٹر حمید اللہ سے لکھ کر پوچھا تھا کہ ۴۵ عرض البلد انھوں نے کیونکر تجویز کیا۔ جواب ملا کہ صحابہ یہیں تک گئے تھے۔ اس لیے اسے حد کے طور پر لیا ہے۔

اس مسئلہ پر آپ کی کیا رائے ہے؟ رسائل و مسائل میں آپ کے جواب نظر سے گزرے ہیں لیکن وہ بہت عمومی قسم کے ہیں۔ یہاں ڈاکٹر صاحب نے اتنی تفصیل میں جا کر

معمولی اور غیر معمولی منطقوں کی حدود کا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔ لندن میں یہ سوال اس لیے اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ یورپین نومسلم سورج کے بجائے گھڑی کے مطابق عبادات قائم کرنا چاہتے ہیں بلکہ ان کا بس چلے تو جمعہ کی نماز اتوار کو کریں ــــ یہ تجویز کئی دفعہ میرے سامنے آئی ہے۔

(۳) یہاں لندن میں ایک مسلمان طالب علم ایک جرمن لڑکی سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ وہ مسلمان بننے پر آمادہ نہ ہوئی۔ لہٰذا میں نے شادی رکوانے کی کوشش کی۔ صاحبزادے کو سمجھایا کہ وہ کیونکر برداشت کریگا کہ اس کے گھر میں سؤر کا گوشت کھایا جائے اور شراب پی جائے۔ لڑکی غیر مسلم ہوئی تو ہمارے محرمات کا خیال نہیں کرے گی اور گھر برباد ہو جائے گا۔ لڑکے کی سمجھ میں بات آگئی اور وہ کچھ متذبذب ہو گیا۔ انہیں دنوں اس کی اسلامک سنٹر کے مصری ڈائرکٹر سے ملاقات ہوئی۔ ان صاحب نے ڈاکٹر آربری کے ساتھ مل کر ایک کتاب شائع کرائی ہے اور اب جامعۂ ازہر کی کلیۂ شریعہ کے صدر ہو کر واپس مصر گئے ہیں۔ انہوں نے اس لڑکے سے کہا کہ اگر اس کی بیوی عیسائی رہتی ہے تو اسے کوئی حق نہیں کہ لڑکی کو شراب، سؤر وغیرہ سے روکے۔ جو چیز اس کے مذہب میں جائز ہے اسے کرنے کی اسلام نے اسے آزادی دی ہے مسلمان شوہر مداخلت کر کے گنہگار ہو گا۔

کیا یہ رائے درست ہے؟ کیا آنحضور صلعم کے معاہدۂ نجران سے یہ استنباط نہیں کیا جا سکتا کہ کسی مسلمان کی اہلِ کتاب بیوی کو اسلام کے متعین کردہ کبائر کی اجازت نہیں؟

(۴) یہی مصری صاحب بغیر مہر کے نکاح کے قائل تھے۔ کیا یہ درست ہے؟ کیا بغیر مہر کے نکاح جائز ہے؟

(۵) میرے بعض عراقی دوست جو کئی سالوں سے لندن میں مقیم ہیں اب تک نماز قصر کر کے پڑھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مسافرت کی حد نہ قرآن میں آئی ہے اور نہ حدیث

ہیں۔ فقہاء کی اپنی اختراع ہے۔ لہٰذا ہم نہیں مانتے۔ جب تک اپنے وطن سے باہر ہیں مسافر ہیں۔ قصر کریں گے، چاہے ساری عمر لندن میں گزر جائے۔ ان کو کس طرح مطمئن کروں کہ ان کی روش غلط ہے۔

(۶) یہی حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ روزہ کی قضا تو ہے لیکن نماز کی نہیں۔ بعد میں روزہ رکھنے کا حکم قرآن میں ہے۔ لیکن جو نماز ایک دفعہ کھو گئی وہ ہمیشہ کے لیے گئی۔ قرآن میں کہیں قضا نماز کا ذکر نہیں نہ ہی حدیث میں اس کے متعلق کچھ ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

(۷) حصص کے سلسلہ میں ایک سوال اور ذہن میں آیا ہے۔ اب تک دوسروں نے اور آپ نے بھی یہ کہا ہے کہ خریدنے کے بعد سال پورا ہونے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ عام طور پر لوگ سال بھر تک ایک ہی حصہ نہیں رکھتے۔ کبھی قیمت گرنے لگتی ہے تو بیچ دیتے ہیں۔ کبھی دوسرے حصص زیادہ نفع بخش نظر آنے لگتے ہیں تو اپنا بیچ کر دوسرے خرید لیے جاتے ہیں وغیرہ۔ ہمارے ہاں ممکن ہے کہ ابھی یہ بات عام نہ ہو لیکن یہاں یہی ہوتا ہے۔ کیا ایسی صورت میں بھی کسی ایک کمپنی کے حصہ پر سال پورا ہونے پر ہی زکوٰۃ عائد ہو گی؟ کیا اس طرح آدمی زکوٰۃ سے مستقلاً مستثنیٰ ہو جائے گا؟ زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کے باوجود زکوٰۃ کا موقع نہ آئے گا؟

جواب ۔ آپ کے سوالات کا مختصر جواب یہ ہے۔

(۱-۷) تجارتی حصص کی زکوٰۃ اس اصول پر نہیں نکالی جائیگی کہ گویا حصے کی رقم آپ کے پاس جمع ہے اور آپ جمع شدہ روپے کی زکوٰۃ نکال رہے ہیں۔ بلکہ ان کی زکوٰۃ تجارتی مال کی زکوٰۃ کے اصول پر نکالی جائے گی۔ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ کاروبار شروع ہونے کی تاریخ پر جب ایک سال گزر جاتے تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کے پاس تجارتی مال (STOCK IN TRADE)

کس قدر موجود ہے اور وہ کس مالیت کا ہے اور نقد روپیہ (CASH IN HAND) کتنا ہے۔ دونوں کے مجموعہ پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائیگی۔ اسی قاعدے پر دیکھا جائیگا کہ کمپنی یا کمپنیوں میں آپ کے جو حصے ہیں، اِس وقت بازاری قیمت کے لحاظ سے ان کی قیمت کیا ہے۔ سال کے دوران میں آدمی نے خواہ کتنی ہی مرتبہ پہلا حصہ فروخت کیا ہو اور دوسرا خریدا ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پہلا حصہ جب آپ نے خریدا اس وقت سے سال شمار کیا جاتے گا اور سال کے خاتمہ پر آپ کے حصے کی جو بازاری قیمت ہو اس کے لحاظ سے زکوٰۃ کا تعیّن کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ آپ کے پاس نقد کس قدر موجود ہے۔ دونوں کے مجموعے پر ۱/۴۰ کی شرح سے زکوٰۃ نکالی جاتے گی۔ رہی یہ بات کہ ٹیکس لگ کر آپ کی بقیہ آمدنی اتنی کم رہ جاتی ہے کہ زکوٰۃ دینے کی صورت میں وہ پوری کی پوری زکوٰۃ ہی میں چلی جاتی ہے، تو اس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔ یہ تو ایسی حکومتوں کے ماتحت رہنے کی سزا ہے جو ٹیکس عائد کرتے وقت سرے سے زکوٰۃ کا کوئی لحاظ ہی نہیں کرتیں۔ یہ سزا ہمیں لازماً اس وقت تک بھگتنی ہوگی جب تک اس حکومت کا نظام ہم نہ بدل دیں جس میں ہم رہتے ہوں۔

(۲) قطبین کے قریب علاقوں کے اوقات عبادت کے معاملہ میں مجھے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے اجتہاد سے قطعاً اتفاق نہیں ہے۔ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ جن علاقوں میں رات اور دن کا الٹ پھیر ۲۴ گھنٹے کے اندر ہو جاتا ہے ان میں روزہ و نماز کے اوقات، اسی قاعدے پر ہونے چاہییں جو خطِ استوا سے قریب تر مقامات کے لیے ہے، خواہ رات دو ہی گھنٹے کی ہو یا دن دو ہی گھنٹے کا رہ جاتے۔ البتہ اس کے آگے جہاں رات اور دن ۲۴ گھنٹوں سے متجاوز ہو جاتے ہیں، وہاں گھڑیوں کے حساب سے اوقات مقرر کیے جانے چاہییں، اور ایسے مقامات پر تعینِ اوقات مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ کے معیار پر کیا جانا چاہیے۔

(۳) اہلِ کتاب کی جن عورتوں سے مسلمان کو نکاح کی اجازت دی گئی ہے ان کے بارے میں قرآن مجید دو شرطیں لگاتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ محصنات (پاک دامن) ہوں، دوسرے

یہ کہ ان سے نکاح کر کے ایک مسلمان خود اپنے ایمان کو خطرے میں نہ ڈال بیٹھے (ملاحظہ ہو سورۂ مائدہ آیت ۵)۔ ان شرائط کی رُو سے فاسق و فاجر کتابیات کے ساتھ شادی جائز نہیں ہے۔ اور یہ دیکھنا ایک مسلمان کا فرض ہے کہ جس عورت سے وہ شادی کر رہا ہے وہ اس کے گھر میں، اس کے خاندان میں، اور اس کے بچوں میں ایسے افعال رائج کرنے کی موجب نہ بنے جو اسلام میں حرام ہیں۔ بلاشبہ وہ اسے مذہب ترک کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اس کو چرچ جانے سے نہیں روک سکتا۔ مگر اسے شادی سے پہلے ہی یہ شرط کر لینی چاہیے کہ وہ اس کی زوجیت میں آنے کے بعد شراب، سؤر کے گوشت اور دوسری حرام چیزوں سے اجتناب کرے گی۔ ایسی شرط پہلے ہی طے کر لینے کا اسے حق بھی ہے اور ایسا کرنا اس کا فرض بھی ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دین کے معاملہ میں سخت تساہل کرنے والا آدمی ہے۔ اس کے بعد اگر اس کی اپنی اولاد ان حرام افعال میں مبتلا ہو (اور ظاہر ہے کہ اولاد کا ماں سے متاثر نہ ہونا متوقع نہیں ہو سکتا) تو اس کی ذمہ داری میں وہ بھی شریک ہوگا۔

(۴) نکاح بلا مہر ہو سکتا ہے، لیکن اسلامی فقہ کی رو سے اس طرح کے نکاح میں مہر مثل آپ سے آپ لازم آجاتا ہے۔

(۵) افسوس ہے کہ عرب ممالک کے نوجوان نہ تو خود دین کا کافی علم رکھتے ہیں اور نہ وہ فقہائے مجتہدین میں سے کسی کا اتباع ہی کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے آئے دن ان کے عجیب عجیب اجتہادات سننے میں آتے رہتے ہیں۔ مسافر کے معاملہ میں امام شافعی، امام احمد، اور ایک روایت کی رو سے امام مالک بھی، اس بات کے قائل ہیں کہ جو شخص کسی مقام پر چار دن یا اس سے زیادہ ٹھیرنے کا ارادہ رکھتا ہو اسے پوری نماز پڑھنی چاہیے۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ کا مسلک یہ ہے کہ دس دن یا اس سے زیادہ ٹھیرنے کی نیت مسافر کو مقیم بنا دیتی ہے۔ امام اوزاعی بارہ دن کی اور امام ابو حنیفہ پندرہ دن کی حد مقرر کرتے ہیں۔ علمائے اسلام میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ اپنے شہر سے باہر نکل کر کسی دوسرے مقام پر کوئی شخص چاہے مہینوں اور برسوں بھی

مگر وہ مسافر ہی رہے گا اور قصر کرتا رہے گا۔ البتہ فقہا یہ ضرور کہتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کسی مقام پر اس طرح رکا ہوا ہو کہ ہر وقت اس کے کوچ کر جانے کا امکان ہو، اور ٹھیرنے کی نیت نہ ہو، تو خواہ وہاں اسے مہینوں رکا رہ جانا پڑے، وہ قصر کر سکتا ہے۔ انہی وجوہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں پندرہ دن اور فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں اٹھارہ دن قصر فرمایا (مسند احمد و ابو داؤد) اور انہی وجوہ سے صحابہ کرام کا لشکر آذر بیجان کی مہم میں دو مہینے قصر کرتا رہا (مسند احمد)

(۶) یہ بات بھی سخت حیرت انگیز ہے کہ یہ لوگ نماز کی قضا کے قائل نہیں ہیں حالانکہ یہ چیز بکثرت احادیث سے ثابت ہے اور تمام فقہائے اسلام بالاتفاق اس کے قائل ہیں۔ پوری اسلامی تاریخ میں کوئی ایک قابلِ ذکر فقیہ بھی اس کا قائل نہیں ہوا ہے کہ روزے کی قضا تو واجب ہے مگر نماز کی قضا واجب نہیں۔ بخاری، مسلم، نسائی، ابو داؤد، ابن ماجہ، ترمذی اور مسند احمد میں متعدد احادیث حضرت انسؓ، ابو ہریرہؓ اور ابو قتادہ انصاری سے مروی ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نماز کو انسان بھول جائے، یا سوتا رہ جائے اور نماز کا وقت نکل گیا ہو، تو جس وقت بھی اسے یاد آئے یا وہ بیدار ہو اسے وہ چھوٹی ہوئی نماز پڑھ لینی چاہیے۔ یہ تو ہے حضور کا قولی حکم۔ رہا آپ کا اپنا فعل، تو ابو سعید خدری، جابر بن عبداللہ اور عمران بن حصین سے متعدد واقعات مسند احمد، بخاری، مسلم اور نسائی میں منقول ہیں جن میں وہ بتاتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے چھوٹی ہوئی نمازیں ادا کی ہیں۔ ایک سفر میں رات بھر چل کر آخر وقت میں قافلے نے پڑاؤ کیا اور اترتے ہی سب پر نیند غالب ہو گئی یہاں تک کہ جب سورج نکل آیا تو اس کی گرمی سے لوگ بیدار ہوئے۔ حضورؐ نے فوراً اذان دلوائی اور جماعت کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی۔ غزوۂ خندق میں ایک روز عصر کی نماز قضا ہوئی اور حضور نے مغرب کے وقت ادا کی۔ اور ایک اور دن اسی غزوہ میں ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں قضا ہوئیں اور ایسے وقت یہ تینوں نمازیں ادا کی گئیں جبکہ عشاء کا وقت شروع ہو رہا تھا۔ اس کے بعد یہ کہنے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ جو نماز چھوٹ گئی وہ معاف ہے؟